احسان الٰہی ظہیر

پسِ دیوارِ زنداں

مشرقی پاکستان کے بارہ میں مجھے علم نہیں اور نہ ہی میں ہندوستان کے متعلق قطعیت سے کوئی بات کہ سکتا ہوں کہ میرے ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی اس کے درمیان اور پاکستان کے درمیان اونچی اونچی اور لمبی لمبی دیواریں کھینچ گئیں کہ اب ادھر جھانکا بھی نہیں جا سکتا، ہاں مغربی پاکستان کے بارہ میں خیبر سے لے کر کراچی تک ایک بات پورے اعتماد اور وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہاں کا کوئی ایک فرد چاہے وہ خواندہ ہو چاہے نیم خواندہ اور چاہے سرخ ہو چاہے سفید، محکوم ہو یا حاکم، امیر ہو یا فقیر بوریا نشین ہو یا مخمل نشین، چھوٹا ہو یا بڑا۔ ایسا نہیں جو شورش کاشمیری کو نہ جانتا ہو۔ کوئی اسے ادیب کے طور جانتا ہے اور کوئی خطیب کے طور، کسی نے اسے شاعری کے روپ میں دیکھا ہے جو ان تند و تیز آندھیوں میں بھی ظفر علی کی شمعوں کو فروزاں رکھے ہوئے ہے اور کوئی صرف اس وجہ سے اس کا مداح ہے کہ ؎

مائیں بچے جنتی ہیں ایسے بہادر خال خال

اور کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے شورش کو ان تمام رنگوں ان تمام روپوں میں دیکھا اور خوب دیکھا ہے اور انہیں علم ہے کہ حلقہ یاراں میں بریشم کی طرح نرم اور معرکہ حق و باطل میں فولاد صفت کیسے کہتے ہیں۔

میں بچپنے ہی سے چٹان اور صاحب چٹان سے آشنا تھا اور مجھے اب تک یاد ہے کہ اس کے شعروں کا جب پہلا مجموعہ "گفتنی ناگفتنی" چھپ کر آیا تو اس وقت میری عمر ابھی دس برس سے زائد نہ تھی۔ میرے ایک استاذ کلاس میں اسے لیے ہوئے آئے اور پھر کتاب وہیں رکھ کے باہر نکل گئے،

میں نے کتاب کے اوراق پلٹے تو اس کے اکثر و بیشتر اشعار میرے یاد کیے ہوئے نکلے۔ میں نے پہلی مرتبہ اس میں شورش کی تصویر دیکھی اور اس پر لکھ دیا "بانکا ادیب"۔ اتنی دیر میں استاذ واپس آگئے انہوں نے اسے دیکھ لیا اور ناراضگی کی بجائے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے "کسی ادیب و شاعر کے لیے اس سے بڑا اخراج کیا ہو سکتا ہے کہ اس کی قوم کے بچے بھی اسے جانتے اور پہچانتے ہوں" اور جب میں نے انہیں بتلایا کہ اس کتاب میں درج اکثر و بیشتر نظمیں مجھے زبانی یاد ہیں تو انہوں نے برجستہ کہا ایسے لوگ بھی کہیں مٹا کرتے ہیں۔ اور پچھلے برس تو اس کی دھوم اور اس کی شہرت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی مجھے مغربی پاکستان کے تقریباً سبھی علاقوں میں آغا صاحب کے ساتھ تقاریر کے لیے جانے کا اتفاق ہوا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ شورش کا نام سن کر ٹوٹے پڑتے ہیں اور یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ پاکستان بھر میں اس معاملہ میں کوئی دوسرا اس کا مقابل و حریف نہیں اور وہ برصغیر میں ابو الکلام، بہادر یار جنگ اور عطاء اللہ شاہ کے سلسلے کی آخری کڑی ہے۔

کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن پہ قدرت اس قدر مہربان ہوتی ہے اور انہیں اس طرح کے کمالات سے نوازتی ہے۔ ہم نے بے شمار ایسے بلند پایہ لوگ دیکھے اور کتابوں میں پڑھے ہیں جو بہترین خطیب تھے لیکن لکھ ایک سطر بھی نہیں سکتے، اور وہ بھی جب لکھیں تو کہکشاں اس سے حسن مستعار لے لیکن دو حرف بولنے کی سکت نہیں پاتے، اور وہ تو بے شمار ہیں کہ شعر کہتے ہیں تو پھول جھڑتے ہیں لیکن نثر لکھیں تو ابکائیاں آنے لگیں مگر شورش قسمت کا دھنی شعر میں غنی، نثر اس کی جیسے ہیرے کی کنی اور خطاب اس کا جیسے نیزے کی انی،

اور پھر شورش کو دیکھ کر مجھے متنبی کا وہ شعر ہمیشہ یاد آجایا کرتا ہے ۔

لا بقومی شرفت بل شرفوا بی

وبنفسی فخرت لا بجدودی

"کہ مجھے میری قوم و قبیلے نے شرف نہیں بخشا بلکہ میں نے ان کی عزت بڑھائی ہے میں نے کبھی بڑوں کی بڑائی کا سہارا نہیں لیا۔ میری بڑائی کے لیے میری اپنی ذات ہی کافی ہے"
کس قدر صحیح مصداق ہے وہ اس شعر کا، عربی میں ایسے ہی شخص کو "عصامی" کہا جاتا ہے، کہ کوئی شخص شورش کو بنانے کا دعوے نہیں کر سکتا۔ مشکلات نے اسے بنایا اور دار و رسن سے

آنکھ مچولی نے اسے بڑھایا اور چڑھایا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اسلاف کی دولتِ جنوں نے اس کے حسن کو اور چمکایا اور اس کے پھریروں کو بلندیوں پہ اور زیادہ لہرایا ہے۔

"پسِ دیوارِ زنداں" میں اسی مجموعۂ کمالات کے بننے، سنورنے اور ابھرنے کی داستان ہے جو اپنے جلو میں اور ان گنت داستانوں کو لیے ہوئے شعر سے آنکھ ملاتی، نثر سے اٹھکیلیاں کرتی اور خطابت سے کھیلتی چلی جاتی ہے۔ اس کتاب میں خطابت کا جلال بھی ہے شعر کا جمال بھی اور نثر کا کمال بھی۔ شورش سے اختلافات ہو سکتے ہیں اور وہ خامیوں سے مبرا بھی نہیں کہ عصمت خاصۂ انبیاء ہے لیکن وہ لوگ بڑے کم ظرف ہوتے ہیں جو کسی کے محاسن پر اس کی چند غلطیوں کی وجہ سے پردہ ڈال دیں یا حقائق سے صرف ذاتی اغراض کی بنا پر اغماض برتیں۔

اور اگر کوئی اس کم ظرفی کا شکار ہی ہو کر نہ رہ جائے تو وہ یقیناً اس کتاب کو اردو ادب کا بہترین شاہکار قرار دے گا۔

شورش کی اس خوبی کا شاید کم لوگوں کو علم ہو کہ تلوار سے زیادہ کاٹ رکھنے والی زبان و قلم کا مالک کس قدر نرم دل رکھتا ہے۔ اس کا احساس اس کتاب کے مطالعہ سے بار بار ہوتا ہے، وہ لوگوں کی ادنیٰ ادنیٰ سی تکلیف پر کڑھ کڑھ جاتا ہے اور ان لوگوں کے تذکرے میں کسی بخل کا اظہار نہیں کرتا جنہوں نے اس کے ساتھ معمولی سی بھی نیکی کی یا جنہوں نے کبھی اس سے محبت کی چاہے وہ بعد میں اس کے دشمن ہی بن گئے۔

پسِ دیوارِ زنداں میں ایک مشہور زبان دراز کمیونسٹ صحافی کا تذکرہ اس کی زندہ مثال ہے۔

قومی اور سیاسی معاملات سے دلچسپی رکھنے اور عملاً اس میں حصہ لینے کی بنا پر مجھے اس کتاب کو پڑھ کر جو سخت دھچکا لگا اور صدمہ پہنچا وہ مسلمان قوم کی عموماً اور پنجابی مسلمانوں کی خصوصاً اپنے قومی کارکنوں اور زعماء کے بارہ میں بے حسی اور بے توجہگی اور لاتعلقی ہے جس کا اس کتاب کو پڑھ کر بے حد احساس ہوتا ہے۔ ان کے مقابلہ میں معلوم ہوتا ہے کہ ہندو قوم اپنی راہ میں لڑنے والوں اور قربانیاں دینے والوں کو کس احترام اور عقیدت کا مستحق قرار دیتی اور ان کی مشکلات میں ان کا ہاتھ بٹاتی رہی جبکہ مسلمان انہیں تباہ و برباد کرنے میں اغیار سے بھی بازی لے جاتے رہے

"پسِ دیوارِ زنداں" برصغیر کی جنگ آزادی کے متعلق ایک بہترین دستاویز ہے اور جنگِ آزادی

بقیہ بر صفحہ ۱۴